بر صغیر ہندوپاک کا فقہی ادب

ایک جائزہ

ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی*

ABSTRACT

The article attempts to compare and analyze the *Fiqhī* literature of the subcontinent in both Arabic and Urdu languages. Both emerged in the different phases of the history; the earlier in pre-colonial era while the later in the colonial and the post-colonial eras. By comparing the literature it arrives to the conclusion that whereas the Arabic literature is deeply concerned with the classical deliberations of *Fiqh*, the Urdu literature bears multidimensional discourses. Moreover this Urdu literature manifests *ijtihād* as its dominant shade. This is because of the different times and their challenges. The paper observes that sectarian debates have gained more attention during the last decades that have brought serious challenges to the Muslims intellects of the subcontinent. It holds that through academic and comparative studies these challenges can be successfully solved.

بر صغیر پاک وہند کی سر زمین، قرونِ متأخرہ میں علم ودانش کی خدمت کے لیے ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ اس میں مختلف علوم وفنون کے ماہرین پیدا ہوئے۔ اس وقت ہمارے پیشِ نظر صرف علم فقہ کے میدان میں ہونے والی پیش رفت کا ایک جائزہ ہے۔ اس میں ہم نے زیادہ توجہ اس کے تجزیاتی اور ناقدانہ جائزے پر دی ہے۔ فقہی سرمایے کا قابلِ لحاظ حصہ، سلاطین (عہدِ سلطنتِ تیموریہ) کی سرپرستی میں تیار ہوا۔ فقہاے اسلام کو اس

---

* شعبہ اسلامک اسٹڈیز، اے ایم یو، علی گڑھ، انڈیا

سرگرم معاونت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جس بالغ نظری اور مستقبل بینی کا مظاہرہ کرنا چاہیے تھا، اس میں وہ ناکام نظر آتے ہیں؛ چنانچہ اس عہد میں شروح و حواشی پر انحصار اور تقلیدی بالادستی کی بازگشت سنائی دیتی ہے اور قرآن و حدیث اور قیاس و اجتہاد کے ذریعہ معاصر مسائل کا حل تلاش کرنے والی کوششیں برائے نام محسوس ہوتی ہیں۔ بعد کے نو آبادیاتی دور (انیسویں اور بیسویں صدی) کا فقہی سرمایہ انگریزوں کی سیاسی و معاشی بالادستی اور ہندو مسلم کشیدہ تعلقات کے باوجود بعض جہتوں سے جدید تدوینِ فقہ کی طرف بعض انقلابی تبدیلیوں کی غمازی کرتا دکھائی دیتا ہے۔ قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۶۴۰ء) اور پھر دہلی کے مدرسہ رحیمیہ کے جانشین، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۷۶۳ء) کی کوششوں سے علومِ قرآن و حدیث کو شایانِ شان مقام و مرتبہ حاصل ہوا؛ البتہ علما کے قدیم فقہی دبستانوں میں مصادرِ اصلیہ کو محض حاشیہ نشینی کا شرف حاصل ہو سکا۔ اگر یہ کوششیں آغازِ اسلام میں کما حقہ اپنا مقام حاصل کر لیتیں اور انہیں سلاطین کی حقیقی سرپرستی ملتی تو ہندوستان میں ”فقہی تشدد“ میں کمی واقع ہو چکی ہوتی۔ بہ ہر حال تاریخ نے اپنا کردار ادا کر دیا ہے، اب مستقبل کا لائحۂ عمل اس دور اندیشی پر مبنی ہے کہ قرآن کو علوم کا حقیقی مستدل اور مخرج تسلیم کر لیا جائے۔ اس حقیقت کے اظہار میں کوئی مبالغہ نہیں کہ فقہا کے متوازن رویے اور سلامت روی سے امتِ مسلمہ کا خوش گوار مستقبل وابستہ ہے۔

برصغیر میں فقہ کا ارتقا

سرزمینِ ہند میں علم فقہ کی ترقی اور استحکام کا دور تاریخی طور پر ۱۲۰۶ء سے تسلیم کیا جاتا ہے، لیکن اس سے کہیں پہلے سندھ اور جنوبی ہندوستان بالخصوص ملیبار اور دکن میں فقہِ شافعی، عرب تاجروں کے ذریعے منتقل ہوئی۔ سندھ کے علاقے میں محمد بن قاسم کے بعد مسلمانوں کے دورِ حکم رانی میں فقہ سے دل چسپی رکھنے والے علما کی تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً ابو معشر سندھی (م ۷۸۶ء)[1] احمد بن سعید مالکی ہمدانی، (م ۱۰۰۸ء)۔[2] حسن بن حسن داوری سندھی (م ۱۰۵۳ء) اور محمد بن احمد بن محمد سندھی (م ۱۱۵۳ء)۔[3]

تاریخی دستاویز سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتح سندھ، محمد بن قاسم نے ہندوستان کے بالکل ابتدائی فقہی سرمایے میں ”فقہ الاقلیات“ کی بنیاد رکھی اور مذہبی رواداری کی وہ مثال قائم کی جس کی اجازت قانونِ اسلامی کی

۱- ریاست علی ندوی، عہد اسلامی کا ہندوستان، پٹنہ، ادارۃ المصنفین، ۱۹۵۰ء، ص ۵۵

۲- قاضی اطہر مبارک پوری، رجال السند والهند إلى القرن السابع، بمبئی، کٹلری بازار، ۱۹۵۸ء، ص ۵۶

۳- نفس مرجع، ص ۱۰۴-۱۰۶

وسعت عطا کرتی ہے۔ انھوں نے علماے دمشق سے فتویٰ حاصل کیا کہ ہندوستان میں ہندو مندروں کی وہی حیثیت ہوگی جو خلافت کے دیگر صوبوں میں عیسائی کلیساؤں یا یہودی معبدوں کو حاصل ہے۔ برہمنوں کو وہ تمام حقوق عطا کیے گئے جو ہندو راجاؤں کے زمانے میں حاصل تھے، بلکہ انھیں مال گزاری کی وصولی پر مقرر کیا گیا۔[۴] ہندوستان میں غیر مسلم رعایا کو ذمی کا درجہ دیا جا چکا تھا۔ ان کو شبہ اہل کتاب کی حیثیت شافعی علما کے علاوہ دیگر علما نے عطا کی تھی۔[۵]

عہدِ سلطنت میں وسط ایشیا اور ماوراء النہر سے جو علما ہندوستان آئے وہ فقہ حنفی کے اصولوں کے قائل تھے، کیوں کہ اُن علاقوں میں فقہِ حنفی مستحکم بنیادوں پر قائم تھی۔[۶] چنانچہ سلاطین نے بھی تدوینِ قانون اور نفاذِ شریعت کے لیے اسی فقہ کو بنیاد بنایا، کیوں کہ وہ خود بھی امام اعظم کے شیدائی تھے، لیکن سلاطینِ دہلی کی مذہبی رواداری کا یہ روشن باب ہے کہ وہ اپنے مخصوص مسلک پر تقلیدِ جامد کے شکار نہ ہوئے، بلکہ وسعتِ قلبی اور عدمِ تعصب کا ثبوت ان کے رویے سے عیاں ہوتا ہے۔ مشہور صوفی بزرگ مولانا فرید الدین، علاء الدین محمد خلجی کے دور حکومت (۱۲۹۶ء-۱۳۱۶ء) میں اَودھ کے شیخ الاسلام کے منصب پر مقرر کیے گئے۔[۷] اسی طرح ابنِ بطوطہ مالکی، محمد بن تغلق کے عہد حکومت (۱۳۲۵-۱۳۵۱ء) میں دہلی کے قاضی مقرر ہوئے۔[۸] اس سے پہلے محمود غزنوی (م ۱۰۳۰ء) نے حنفی المسلک ہونے کے باوجود کتاب التفرید میں فقہِ شافعی کے مطابق احکام و مسائل بیان کیے۔[۹] اسی عہد میں مجموعِ سلطانی تالیف کی گئی جسے محمود غزنوی کے نام موسوم کیا گیا۔[۱۰] عہدِ مذکور

4- I.H. Quraishi, *The Administration of the Delhi Sultanate of Delhi*, (Pakistan: 1958), 206-210

۵- ڈاکٹر شیث محمد اسماعیل اعظمی، **عہد سلطنت کے فقہاء، صوفیاء اور دانشوروں کی نظر میں ہندو کی حیثیت**، دہلی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۸ء، ص ۳۷

۶- ضیاء الدین برنی، **تاریخ فیروز شاہی**، کلکتہ، ۱۹۶۲ء، ص ۲۹۰، احمد بن علی قلقشندی، **صبح الأعشى في صناعة الإنشاء**، قاہرہ، ۱۹۱۵ء، ج ۵، ص ۶۹

۷- امیر خورد، **سیر الاولیاء**، دہلی، ۱۳۰۲ھ، ص ۲۸۵

۸- ابن بطوطہ، **رحلة ابن بطوطة**، قاہرہ، ۱۹۲۰ء، ۸۰-۸۲

۹- سید عبدالحی الحسنی، **نزهة الخواطر**، حیدرآباد، ۱۹۶۲ء، ج ا، ص ۶۹، محمد اسحاق بھٹی، **فقہائے ہند**، لاہور، ۱۹۷۴ء، ج ا، ص ۱۰۷، نیز دیکھیے: محمد یوسف فاروقی، "برصغیر میں حنفی فقہ کا ارتقا" مشمولہ **امام ابو حنیفہ، حیاتِ فکر اور خدمات**، (مرتبین) محمد طاہر منصوری اور عبدالحی ابڑو، اسلام آباد، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، ۲۰۰۳ء، ص ۱۹۹

۱۰- محمد ظفیر الدین، **تعارف مخطوطات دار العلوم دیوبند**، دیوبند، ۱۹۷۰ء، ص ۲۹۹، مخطوطہ نمبر ۱۴۵/ ۳۸۲

میں فقہا کی ذاتی محفلوں اور مدارس میں علم فقہ، نصابِ درس کا اہم جزو بن گیا، نیز صوفیہ کی خانقاہوں اور سلاطین کی عدالتوں میں اس علم کی قدر و منزلت محسوس کی جانے لگی۔ بعض عرب مؤرخین کی شہادت ہے کہ تغلق سلاطین کے عہدِ حکومت میں صرف دہلی میں تقریباً ایک ہزار مدارس تھے جن میں فقہ و فتاویٰ کی تعلیم مسلکِ حنفی کے مطابق دی جاتی تھی۔[۱۱] شیخ نصیر الدین احمد چراغ دہلوی (م ۱۳۵۶ء) کے شاگردِ رشید شیخ نظام الدین اولیا (م ۱۳۲۴ء) کو ان کی مخصوص قابلیت اور دل چسپی کی بنا پر "ابو حنیفہ ثانی" کا خطاب دیا گیا۔[۱۲] اسی طرح فخر الدین زرادی (معاصر سلطان محمد تغلق) اور قاضی محی الدین کاشانی نیز شیخ حسام الدین نے فقہ کی توسیع و اشاعت میں خصوصی دل چسپی لی اور شہرت حاصل کی۔[۱۳] سلطان محمد تغلق کے عہد میں بعض دیگر صوفیۂ کرام نے فقہی کتب کی تالیف کے ذریعے اس فن کی خدمت انجام دی، مثلاً شیخ یوسف گدائی نے **تحفة النصائح** لکھی، اسی طرح شیخ رکن الدین نے **طرفة الفقهاء** سپردِ قلم کی۔ سلسلۂ سہروردی کے مشہور صوفی شیخ فضل اللہ ماجو نے **فتاوائے صوفیا** تصنیف کی۔[۱۴]

عہدِ وسطیٰ اور نو آبادیاتی دور کے مدرسی نصاب میں فقہِ حنفی کی بنیادی کتابوں کی شمولیت اور ان کے شروح و حواشی کے ذریعے مشکل عبارتوں کی تفہیم و تشریح کا کام مستقل مزاجی سے کیا گیا۔ جن کتابوں کو درسی نصاب میں اولیت دی گئی وہ یہ تھیں: **القدوري، الهداية، الحسامي، البزدوي، مجمع البحرين، المنار، شرح الوقاية، التوضيح و التلويح**۔[۱۵] اس ضمن میں اہم بات یہ ہے کہ فقہ کی معاون کتبِ درس میں بعض جلیل القدر ہندوستانی شخصیات کی فقہی تصنیفات کو معاصر مدارس کے نصاب میں جگہ دی گئی اور ان کی اہمیت کے

۱۱۔ قلقشندی، مرجع سابق، ج۵، ص۶۹، شہاب الدین عمری، مرجع سابق، ص ۲۴

۱۲۔ حمید قلندر، خیر المجالس، ترجمہ و تصحیح، خلیق احمد نظامی، علی گڑھ، ۱۹۵۹ء، ص ۱۲، ۳۴

۱۳۔ امیر خورد، مرجع سابق، ص ۲۵۶

۱۴۔ فقیر محمد جہلمی، حدائق الحنفیة، لکھنؤ، نول کشور، ۱۹۰۶ء، ص ۳۰۵

15- G. M. D. Sufī, al-*Minhāj :Being the Evolution of Curriculum in the Muslim Educational Institution of India*, (Delhi: Idarah Adabiyat-e-Dilli, 1941), 49

نیز دیکھیے عبد الحی الحسنی، الثقافة الاسلامية في الهند، دمشق، ۱۹۵۸ء، ص ۱۱

پیش نظر درسِ نظامی کا حصہ بنایا گیا، مثلاً وجیہ الدین گجراتی (م۷۰۷اء) کے هداية اور التلويح پر حاشیے، محب اللہ بہاری (م۷۰۷اء) کی مسلم الثبوت اور ملاجیون (م۷۱۷اء) کی نور الأنوار وغیرہ۔[۱۶]

عہدِ وسطیٰ میں فقہی تصنیفات اور ان کے موضوعات:

اس عہد کا قدیم ترین مجموعہ، الفتاویٰ الغیاثیة ہے۔[۱۷] اس کتاب میں عصری موضوعات کی ایک فہرست یہ ملتی ہے: نکاح کے ایجاب و قبول میں فارسی جملوں کا استعمال، نماز میں فارسی زبان میں قراءت، بادشاہ کے سامنے سجدۂ تعظیمی، بادشاہوں کی دعوت اور تحائف قبول کرنے کا مسئلہ، قرآن، حدیث اور فقہ کی تدریس پر مامور اساتذہ کو بیت المال سے تنخواہ کا معاملہ، عیسائی و یہودی کی میزبانی، خدام کو پیشگی تنخواہ، ہاشمی سید کو زکاۃ دینے کا مسئلہ[۱۸]۔ اس کتاب کے مؤلف داؤد بن یوسف الخطیب نے غیاث الدین بلبن کے نام اسے موسوم کیا ہے۔ بعد کے ادوار میں اس فن کو مزید استحکام ملا، چنانچہ فتاوی فیروز شاہی (بہ زبان فارسی)، اور فتاویٰ تاتارخانی (بہ زبان عربی) فیروز شاہ تغلق کے عہد (۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) کی اہم یادگار ہیں۔ دیگر مجموعہ ہائے فتاویٰ کے نام حسبِ ذیل

۱۶- شبیر احمد قادری، **عربی زبان و ادب عہد مغلیہ میں**، لکھنؤ، نظامی پریس، ۱۹۸۲ء، ص ۱۲۰، شبلی نعمانی، "درس نظامی"، **مقالات شبلی**، اعظم گڑھ، مطبع معارف، ۱۹۵۵، ج۳، ص ۱۰۰-۱۰۳، نیز دیکھیے راقم کا مقالہ بہ عنوان: "عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان کا فقہی سرمایہ"، **تحقیقاتِ اسلامی**، علی گڑھ، اکتوبر- دسمبر ۲۰۰۱ء

۱۷- یہ مجموعہ بولاق مصر سے ۱۹۰۲ء میں طبع ہو چکا ہے، جس کا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ میں موجود ہے۔ اس مجموعے کا انتساب غلطی سے غیاث محمد سلطان بن ملک شاہ سلجوقی کی طرف ہو گیا ہے، جس نے شام اور آذر بائیجان میں ۱۰۰۵ء کے قریب حکم رانی کی تھی۔ اس کا ایک مخطوطہ رضا لائبریری، رام پور میں ۲۹۶۹/ ۶۸۶ کے تحت ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ مزید دیکھیے:
Zafarul Islam, "Origin and Development of Fatawa Compilations in Medieval India", *Hamdard Islamicus*, 20, (1997), 1-8

۱۸- الفتاویٰ الغیاثیة، بولاق، مصر، المطبع الأمیریه، ۱۳۲۲ھ، ص ۲۷، ۴۹، ۷۱، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۶، ۱۴۱

ہیں: سراج الدین عمر بن اسحاق غزنوی کی **فتاویٰ قاری الہدایہ**،(۱۹) قاضی شہاب الدین دولت آبادی (م ۱۴۶۹ء) کی **فتاوی ابراہیم شاہی**،(۲۰) اور قاضی جکن گجراتی (م ۱۵۱۴ء) کی **خزانة الروايات**۔(۲۱)

اصولِ فقہ، افتا، قضا اور حسبہ کے موضوعات پر بھی علماے عہدِ سلطنت نے توجہ دی اور متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ چند نمائندہ کتابوں کے نام یہ ہیں: محمد بن عبد الرحیم کی **الفائق في أصول الدين**، ابو محامد محمد بن خطیب کی **صنوان القضاء و عنوان الإفتاء**(۲۲) اور قاضی ضیاء الدین عمر حنفی کی **نصاب الاحتساب**۔(۲۳) مسالکِ فقہ کے درمیان پائے جانے والے اختلافات پر بھی بعض کتب کے ذریعے روشنی پڑتی ہے، مثلاً سراج الدین حنفی (م ۱۳۷۲ء) کی کتاب **زبدة الأحكام في اختلاف الأئمة الأعلام**(۲۴) اور ابو حفص سراج الدین

۱۹- احمد علی خان شوق رامپوری، **فہرست کتب خانہ ریاست رامپور**، ۱۹۰۲ء، ج ۱، ص ۲۲۷، مخطوطہ نمبر ۳۹۸

۲۰- **تعارف مخطوطات دارالعلوم دیوبند** نمبر ۳۰۴ /۶۸ (۸۴)، رامپور، رضالائبریری، مخطوطہ نمبر ۵۲، خدابخش لائبریری کے فہرست سازنے **فتاویٰ ابراہیم شاہی** کے مؤلف شہاب الدین دولت آبادی کو ابراہیم شاہ آف بیجاپور (۱۵۳۵ء-۱۵۳۷ء) کا ہم عصر بتایا ہے جب کہ معروف قول کے مطابق مؤلف کی سن وفات ۱۴۶۸ء ہے۔ دیکھیے: **تعارف فہرست مخطوطات**، پٹنہ، خدابخش لائبریری، ۴۰-۴۱/ ۳۳، مخطوطہ نمبر ۱۷۴۹

۲۱- اس کا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری میں یونی ورسٹی عربیہ مذہب (۲) نمبر ۶۶ کے تحت دیکھا جاسکتا ہے۔ عہد سلطنت کے فتاوی کے تفصیلی مطالعے کے لیے رجوع فرمائیں۔ راقم کی کتاب: *Indian Contribution to Fiqh literature* : *A Critique of Arabic works upto* 1857, (Aligarh: Labeeb Publications, 2002) کے متعلقہ ابواب ملاحظہ فرمائیں:

22 - M. Nizamuddin, *Catalogue of Arabic Manuscripts in the Salar Collection*, (Hyderabad: Dāira Maārif, Maārif Uthmaniah, 1972), Ms. No.21/10

نیز دیکھیے: **تعارف مخطوطات دیوبند**، محولہ بالا ۱۸۸/ ۱

۲۳- **تعارف فہرست مخطوطات**، خدابخش لائبریری، ۱۹۹۶ء، ج ۱۲، ص ۳۳، مخطوطہ نمبر ۱۷۱۴، **تعارف مخطوطات دیوبند**، ج ۱، ص ۲۱۰

24 - Otto loth, *A Catalogue of the Arabic Manuscripts in the library of the India office* (London: 1977), 2/1875" M. M. Haq and M. Ishaq, *Catalogue of Arabic Manuscripts in the Collection of Royal Asiatic Society of Bengal*, (Calcutta: 1951), MS.No.482.

(م۱۴۴۲ء) کی الغرّة المنيفة في ترجيح مذهب أبي حنيفة۔[۲۵] دوسری طرف اس عہد میں فقہِ شافعی سے دلچسپی رکھنے والے علما کی کتب اور متداول متون کی شروح و حواشی کا بھی علم ہوتا ہے، مثلاً علی بن احمد مہائمی (م۱۴۳۱ء) کی فقہِ مخدومی، اور ضیاء الدین بن عبدالعزیز (م۱۵۸۳ء) کی قرّة العینین اور اس کی شرح فتح المعین۔[۲۶]

اس دور کے تصنیف شدہ کتابچوں اور رسائل کا میدان بھی کافی وسیع ہے جن سے علما کے مابین جاری مناقشات کا اندازہ ہوتا ہے، مثال کے طور پر مسئلۂ سماع اس دور کے علما کے مابین موضوعِ بحث تھا۔ اس پر فخر الدین زرادی نے کشف القناع عن وجوه السماع تحریر کی، جب کہ اس موضوع پر دوسری کتاب رسالہ إباحة السماع، سلمان بن زکریا ملتانی نے تحریر کی۔[۲۷] اسی طرح بعض کتابچے میراث کی تقسیم کے سلسلے میں مرتب کیے گئے جو ہندوستانی سماج میں جرأت مندانہ قدم تصور کیا گیا، مثلاً حسن بن محمد صغانی (م۱۲۵۲ء) نے کتاب الفرائض تیار کی۔[۲۸]

عہدِ سلطنت کی فقہی کاوشوں کا ایک روشن باب شروح و حواشی کا میدان بھی ہے۔ اس مقصد کے لیے حنفی مکتبِ فکر کی ان نمائندہ کتب کا انتخاب کیا گیا جو عموماً اس دور کے تعلیمی نصاب کا لازمی حصہ تھیں۔ خاص بات یہ ہے کہ ہدایہ اور وقایہ کی ایک درجن سے زائد شروح، ہندوستانی علما کے قلم کی رہینِ منت ہیں۔[۲۹]

۲۵- تصدق حسین، فہرست کتب عربی، فارسی و اردو، مخزونہ کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد، سرکارعالی، دارالطبع، جامعہ عثمانیہ، ۱۳۳۲ھ

۲۶- زبید احمد، عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، مترجم: شاہد حسین رزاقی، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۷ء، ص۹۸

۲۷- محمد اسحاق بھٹی، فقہائے ہند، ج ۱، ص ۲۶۴، رحمان علی، تذکرہ علماء ہند، مترجم: محمد ایوب قادری، لکھنؤ، مطبع نول کشور، ۱۹۱۴ء، ص۱۶۰

۲۸- غلام علی آزاد بلگرامی، مآثر الکرام، حیدرآباد، ۱۹۱۳ء، ج ۱، ص ۱۸۰-۱۸۲، رحمان علی، مرجع سابق، ص ۱۶۲، سید عبد الحی، نزهة الخواطر، ج ۱، ص۱۰۵، محمد اسحاق بھٹی، مرجع سابق، ج۱، ص ۱۸۴

۲۹- عبد الحی الحسنی، الثقافة الإسلامية في الهند، ص۱۰۵-۱۰۷، عہدِ وسطیٰ کی شروح و حواشی پر تفصیلی مطالعے کے لیے دیکھیے: راقم کا مقالہ بہ عنوان :
"Arabic Fiqh Literature and Manuscripts in South Asia: A Kaleidoscopic Perspective of Commentories, Annotations and Abridgements", *Hamdard Islamicus*, 29, (April-June 2006)

مختلف ادوار میں محضر کا قیام اور ان میں بادشاہ کی ذاتی دل چسپی نیز فقہا کا اظہار خیال اس دور کے مسائل کی نشان دہی کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ جن کی نظیریں علاء الدین خلجی، شمس الدین التمش، جلال الدین خلجی اور غیاث الدین بلبن کے عہد میں ملتی ہیں۔ مثلاً قاضی مغیث سے علاء الدین محمد خلجی نے بیت المال میں سلطانِ وقت اور اس کے اہل و عیال کے حصے، حکومتی کارندوں کی سزا اور ہندوؤں کی شرعی حیثیت کے مسئلے پر طویل بحث کی،(۳۰) ایک دوسرے محضر کے مسائل یہ تھے: سربراہِ مملکت اضافی ٹیکس عائد کر سکتا ہے یا نہیں؟ ہندوؤں کے ایک مخصوص طبقے (برہمن) پر جزیہ عائد کرنے کا مسئلہ جو گذشتہ زمانے میں بری تھے۔(۳۱)

عہدِ مغلیہ کی فقہی تصنیفات اور ان کے موضوعات

مغلیہ دور، فقہ میں مہارت اور اس کی تشکیل و تدوین کے لیے معروف رہا ہے۔ عہدِ گذشتہ کی مانند اس زمانے میں بھی عمومی کتب، فتاویٰ کے مجموعے، رسائل اور کتابچے اور شروح و حواشی بہ کثرت معرضِ تصنیف میں آئے۔ مغل شہنشاہوں نے ذاتی حیثیتوں میں تصنیف و تالیف سے دلچسپی کا اظہار کیا، چنانچہ عہد مغلیہ کے بانی بابر نے ترکی زبان میں **مثنوی مبین** نامی رسالہ تحریر کیا جسے **درّ فقہ مبین** اور **مثنوی مبین** بھی کہا جاتا ہے۔(۳۲) اسی طرح فقہ بابری معروف بہ **فتاویٰ بابری** (بہ زبان فارسی) نور الدین بن قطب الدین الخوافی نے ۱۶۷۰ء میں تحریر کی۔(۳۳) ہمایوں کے دور میں بھی بعض کتب فارسی زبان میں تصنیف کی گئیں، مثلاً امین بن عبید اللہ مومن آبادی نے **فتاویٰ امینیہ** ۱۵۴۱ء میں تحریر کی۔(۳۴) اسی طرح نصیر الدین لاہوری (معاصر اکبر) نے **فتاویٰ برہنہ** ۱۵۸۸ء میں تیار کی۔(۳۵)

تمام مغل بادشاہوں میں اورنگ زیب کا دورِ حکم رانی (۱۶۵۸-۱۷۰۷ء) فقہ کی آب یاری کے لیے سنگِ میل تسلیم کیا جاتا ہے۔ ریاست میں نفاذِ شریعت کے سلسلے میں بادشاہ کی مثبت کوششیں تاریخ کا حصہ ہیں،

۳۰- ضیاء الدین برنی، **تاریخ فیروز شاہی**، ص ۲۹۰، ۲۹۶، ۵۱۰، ۵۱۱

۳۱- شمس سراج عفیف، **تاریخ فیروز شاہی**، کلکتہ، ۱۹۳۱ء، ص ۲۸۳، ۲۸۴

۳۲- صباح الدین عبد الرحمن، **بزم تیموریہ**، اعظم گڑھ، مطبع معارف، ۱۹۷۳ء، ج ۱، ص ۱۶-۲۷

۳۳- **تعارف فہرست مخطوطات خدا بخش لائبریری**، پٹنہ، ج ۱۴، ص ۸۶، مخطوطہ نمبر ۱۲۲۷، صباح الدین عبد الرحمان، مرجع سابق، ج ۱، ص ۲۸

34 - Zafrul Islam, "Arabic Fiqh Literature", 110

۳۵- نفس مرجع، نیز دیکھیے: تعارف فہرست مخطوطات خدا بخش لائبریری، پٹنہ، جلد ۱۴، مخطوطہ نمبر ۱۲۲۶

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین، بادشاہ کی ذاتی سرپرستی اور خصوصی دل چسپی کا مظہر ہے۔ اس شاہ کار تصنیف کا سہرا اصلاً علما کی اس منتخب کمیٹی کو جاتا ہے جس کی سربراہی شیخ نظام برہانپوری (م۱۶۷۹ء) فرمارہے تھے۔[۳۶] علمی استناد کی بلندی کی وجہ سے ہر زمانے کے مفتیان اور خاص طور پر نوآبادیاتی دور میں قاضی حضرات، مسلم پرسنل لا سے متعلق مسائل کی راہ نمائی کے لیے اس سے استفادہ کرتے رہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ احناف کے یہاں **فتاویٰ عالمگیری** کی حیثیت **ہدایہ** جیسی ہے۔

عہدِ مذکور کے دیگر مجموعہ ہائے فتاویٰ کے نام یہ ہیں: **مختصر الفتاویٰ** معروف بہ **فتویٰ شافی**[۳۷] از عبدالحمید بن عبداللہ ٹھٹھوی۔ **فتاویٰ سراجیہ** کو تابع محمد بن سعید لکھنوی نے ۱۷۰۸ء میں تالیف کیا۔[۳۸] عمومی کتبِ فقہ میں **مجمع البرکات** کا ذکر ضروری ہے، جسے ابوالبرکات بن رکن الدین دہلوی نے اورنگ زیب کے زمانے میں تصنیف کیا اور اس کے نام موسوم کیا۔ کتابِ مذکور کا خاص پہلو یہ ہے کہ حوالوں کے لیے ان کتب کا انتخاب کیا گیا ہے جو عہدِ وسطیٰ کے ہندوستان میں معرضِ تصنیف میں آئیں، مثلاً **فتاوی تاتار خانیہ**، **خزانۃ الروایات** اور **فتاویٰ حمادیہ**۔

اصولِ فقہ پر بھی اس عہد کے علمانے توجہ صرف کی، مثلاً کتاب **المفسر في الأصول** اور **محکم الأصول** از امان اللہ بن نوراللہ (م۱۷۲۱ء)، **مختصر في الفروع** از حبیب اللہ قنوجی (م۱۷۲۷ء)، **تنویر الحق** از قطب الدین دہلوی (۱۶۱۴ء)۔ اس عہد میں بھی گذشتہ عہد کی طرح فقہِ حنفی کی اہم کتب پر شروح وحواشی تیار کی گئی ہیں۔[۳۹]

بعض تعبدی مسائل، مثلاً رفع یدین، قراءت خلف الامام وغیرہ کے علاوہ دیگر مذہبی معاصر امور پر علاحدہ علاحدہ کتابچے اور رسائل بھی بہ کثرت نظر آتے ہیں، مثلاً شراب نوشی، نشہ آور اشیا کا استعمال، قمار، جوا بازی، موسیقی، اکابر سے دعا ومناجات وغیرہ۔[۴۰]

۳۶۔ محمد اکرام، **بادشاہ نامہ**، کلکتہ، ۱۹۶۸ء، ص۱۰۸۶-۱۰۸۷، خافی خان، **منتخب اللباب**، کلکتہ، ۱۸۷۰، ص۲۵۰-۲۵۱، ساقی مستعد خان، **مآثر عالمگیری**، کلکتہ، ۱۹۷۱، ص۲۲۹، ۲۳۰

۳۷۔ اس مخطوطے کا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ میں سبحان اللہ گلکشن ۳۱/۱/۲۹۷ کے تحت ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

۳۸۔ **تعارف مخطوطات دار العلوم دیوبند نمبر**، ج۱، ص۱۸۳، مخطوطہ نمبر ۵۲/۲۸۸

۳۹۔ دیکھیے: حاشیہ نمبر۲۹ میں راقم کے مقالے کا عنوان ودیگر تفصیل

۴۰۔ دیکھیے: حاشیہ نمبر۱۶ میں راقم کے مطبوعہ مقالے کا عنوان ودیگر تفصیل

مابعد زوال عہد مغلیہ (۱۸۵۷ء تک) کی فقہی تصنیفات اور موضوعات

اورنگ زیب عالم گیرؒ کی وفات (۱۷۰۷ء) کے بعد سیاسی اور معاشی عدم استحکام نے اسلامی علوم کی ترقی کو صدمہ تو پہنچایا لیکن علمائے کرام کی ذاتی دل چسپیوں نے فقہ اسلامی کی ترقی کی راہ میں کسی تساہل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ انھوں نے اسی دور میں بعض سنگ میل قائم کیے، چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے فاضل فرزندان اور علمائے فرنگی محل کی خدمات کو تاریخی سند کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کے علاوہ عبد العلی بحر العلوم (م۱۸۱۹ء)، شاہ عبد العزیز (م۱۸۲۳ء)، خادم احمد فرنگی محلی (م۱۸۵۵ء) اور عبد الحلیم فرنگی محلی (م۱۸۶۸ء) وغیرہ فتویٰ نویسی اور فقہی کتب کی تصنیف کے لیے کافی مقبول و معروف ہیں۔ اسی زمانے میں درسِ نظامی کی بنیاد، نظام الدین سہالوی (م۱۷۴۸ء) نے رکھی جس میں فقہ کی معروف کتب، نصابِ درس کا حصہ تھیں، جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

ہندوستان میں انگریزوں کی آمد اور ان کا سیاسی و اقتصادی اور سماجی منظر نامے پر حاوی ہو جانا نیز ہندو مسلم تعلقات جیسے امور، نئے نئے مسائل کا پیش خیمہ ثابت ہوئے، جن کا حل علمائے کرام نے شریعت کے نقطۂ نگاہ سے تلاش کرنے کی سعی کی۔ عصری مسائل کی طویل فہرست میں چند ایک یہ ہیں: انگریزی اور سائنسی علوم کا حصول، انگریزوں اور ہندوؤں کے ماتحت ملازمت، ان سے سود لینا، کھانے، پینے اور لباس و زیبائش میں انگریزوں کے طور طریقوں کو اختیار کرنا، ہندوستان کی شرعی حیثیت، غیر مسلموں سے معاشی لین دین اور ان سے سماجی تعلقات وغیرہ۔[۴۱]

اس دور میں قانونِ فوج داری، یعنی جرائم اور اس کی سزا کے لیے فقہ حنفی کے مطابق بعض کتابیں لکھی گئیں جن میں سراج الدین علی خان کی جامع التعزیرات من کتب الثقات کو شہرت ملی، کیوں کہ حکومتِ برطانیہ نے اس کتاب کو ہندوستان کے لیے قانون کا درجہ عطا کیا۔ یہ کتاب مطبع عین الاعیان، کلکتہ سے ۱۸۲۰ء میں طبع ہوئی۔ اس کے مصنف ۱۸۰۵ء میں کلکتہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت جج کے منصب پر فائز تھے۔[۴۲]

عہدِ مذکور میں اہلِ حدیث حضرات کے ابتدائی فقہا میں مولانا فاخر زائر الہ آبادی (م۱۷۵۰ء) تسلیم کیے جاتے ہیں، البتہ فقہی اصول و قوانین کی تشکیل کے لیے شاہ اسماعیل شہید (م۱۸۳۱ء) کو شہرت حاصل ہوئی۔ اس مسلک کے عربی لکھنے والوں میں محمد ہاشم سندھی (م۱۷۹۰ء)، محمد معین لکھنوی (م۱۸۴۲ء)، محمد قلی حسین

۴۱- شاہ عبد العزیز، فتاویٰ عزیزی (تصحیح از عبد الاحد) دہلی، مطبع مجتبائی، ۱۳۱۱ھ، ۸، ۱۲، ۱۷، ۳۲، ۹۱، ۱۱۴، ۱۱۶

۴۲- زبید احمد، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، ص ۹۶

(م۱۸۴۴ء) اور خرم علی بلہوری (م۱۸۵۶ء) اہم تصور کیے جاتے ہیں۔ ان علماے ذی وقار نے فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر، رفع یدین اور مسح علی الخفین پر کلام کیا ہے۔

عہد مذکور میں اہلِ تشیّع نے بھی عربی زبان میں کتب ورسائل کے ذریعہ اجتہاد جیسے اہم عنوان پر گفتگو اور اس کے احیا کی کوشش کی، مثلاً سید دل دار علی (م۱۸۲۰ء) اور ان کے صاحب زادے محمد بن دل دار علی (م۱۸۶۸ء) نے بالترتیب **أساس الأصول** اور **إحياء الاجتهاد لإرشاد العباد** تحریر کی۔[۴۳]

فقہی اختلافات کے اسباب وکیفیات پر بعض علماے کرام نے گراں قدر سرمایہ تحریر کیا۔ اس ضمن میں **الإنصاف في سبب الاختلاف** مؤلفہ شاہ ولی اللہ کو سنگ میل قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کتاب میں ائمہ اربعہ کو برحق قرار دیتے ہوئے امتِ مسلمہ کو معتدل رویہ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسی قبیل کی بعض دیگر کتب تصنیف کی گئیں، مثلاً **إزالة الغمة في اختلاف الأمة** از محمد غوث مدراسی (م۱۸۷۱ء)[۴۴] **الإيقاف على سبب الاختلاف** از محمد حیات سندھی (م۱۷۴۹ء) اور **الاقتداء بالمخالفين**۔[۴۵] دوسری طرف نو آبادیاتی دور میں اجتہاد وتقلید پر علما کی مجالس میں زوردار بحثیں چھڑیں، کیوں کہ گذشتہ دونوں صدیوں میں تقلید کی طرف رجحان بڑھتا اور شریعت کا اجتہادی ذوق گوناگوں مصالح کا شکار ہوتا جارہا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے **عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد** کے ذریعے مسائل شریعت کے استنباط واستخراج میں قرآن وسنت سے براہِ راست استفادے کے لیے ایک مدلل دستاویز تیار کر دی۔ اس کتاب کے ذریعے حضرت شاہ نے اس خیال

۴۳- شیخ محمد اکرام، رود کوثر، دہلی، ادبی دنیا، مٹیا محل، س۔ن، ص۶۱۶-۶۲۰؛ سید عبد الحی، **نزهة الخواطر**، ج۷، ص۴۲۵، **أساس الأصول**، مطبع محمدیہ سے ۱۲۶۴ھ میں شائع ہو چکی ہے۔

۴۴- سید عبد الحی، **نزهة الخواطر**، ج۷، ص۴۲۴، **اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں**، مترجم: ابو العرفان ندوی، اعظم گڑھ، مطبع معارف، ۱۹۷۰ء، ص۱۸۳

۴۵- مؤخر الذکر دونوں کتابیں دراصل **مجموعۂ ثلاثہ رسائل** کا ایک حصہ ہیں، تیسرے مقالے کا عنوان ہے "فتح الغفور في وضع الأيدي على الصدور"، دیکھیے: **فہرست مخطوطہ کتب خانہ خدا بخش لائبریری**، پٹنہ، ج۳۴، ص۱۷۸، نمبر۳۲۵۷، نیز دیکھیے: بلگرامی، **مآثر الكرام**، ج۱، ص۱۶۴، **سبحة المرجان**، ص۲۲۴، **تذکرہ علماء ہند**، ص۱۸۶ سے، سید عبد الحی، مصدر سابق، ج۶، ص۳۰۱

کی تردید فرمائی کہ فقہاے اربعہ کی کوششوں کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد اجتہاد کا عمل موقوف ہو گیا۔ مجتہد کے لیے لازمی لیاقت کی وضاحت کے ساتھ اس امر کی جانب بھی راہ نمائی اس کتاب میں ملتی ہے کہ ایک عام آدمی کے لیے چاروں ائمۂ کرام میں سے کسی ایک کی تقلید واجب اور لازم ہے۔ حضرت شاہ کے نقشِ قدم پر بعض اور کتب اسی ذیل میں تیار کی گئیں، مثلاً عبدالحق نیوتینی (م ۱۸۶۰ء) نے الرسالة في إبطال التقليد اور عبداللہ صدیقی الہ آبادی نے سیف الحدید في قطع المذاهب والتقلید تصنیف کیں، جو اسلوبِ بیان کی سختی کی وجہ سے معروف نہ ہو سکیں۔(۴۶)

اس دور کے بعض اہم مجموعوں میں الفتاوی الشریفیة في فروع الحنفیة کو شامل کیا جاسکتا ہے جسے مفتی شرف الدین رام پوری (م ۱۸۵۱ء) نے تصنیف کیا۔(۴۷) دیگر کتب میں افتائے ہندی از محمد اسحق دہلوی (م ۱۸۴۵ء) اور خادم احمد فرنگی محلی (م ۱۸۵۵ء) کی زاد التقوی في آداب الفتوی کو فتویٰ واستفتا کے میدان میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ ان کے علاوہ مختلف موضوعات، مثلاً گاؤں میں جمعہ کی نماز کا قیام، وقتی شادی (متعہ)، لاٹری اور کمرشل انٹرسٹ پر منفرد رسائل اور کتابچے بھی عربی زبان میں تحریر کیے گئے۔ اس دور میں شروح و حواشی پر بہت کم مواد ملتا ہے، کیوں کہ فقہِ حنفی کی مشکل عبارتیں گذشتہ دور میں حل کی جاچکی تھیں اور دوسری طرف سماجی، معاشی اور سیاسی امور کے جدید منظر نامے نے جدید عصری مسائل پر علما کی توجہ بالعموم زیادہ مبذول کرائی۔

عصرِ جدید میں علمی مراکز کی اردو زبان میں فقہی خدمات وتصنیفات:

یہاں اس بات کا تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس مقالے میں پاکستان کے ان اداروں کی فقہی خدمات کا جائزہ نہیں لیا جاسکا ہے جو آزادی کے بعد سرگرمی سے فقہ کی خدمت و ترجمانی میں سرگرمِ عمل ہیں، مثلاً

۴۶- سید عبدالحی الحسنی، مصدرِ سابق، ج ۷، ص ۳۱۲- ۳۱۴

۴۷- اس کا ایک مخطوطہ رضا لائبریری، رام پور میں نمبر ۳۷۰۷ کے تحت ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، اس کے کل اوراق ۳۴۴ ہیں۔ مزید دیکھیے: رحمان علی، تذکرہ علماء ہند، ص ۸۴، سید عبدالحی، نزهة الخواطر، ج ۷، ص ۲۱۱، عبدالاول زید پوری، مفید المفتي، لکھنؤ، ۱۹۰۸ء، ص ۱۱۴

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلامی نظریاتی کونسل اور شریعہ اکیڈمی وغیرہ کی فقہ و اصولِ فقہ پر کتب اور عدالت و قانونی اداروں سے وابستہ قانون دانوں کے لیے تربیتی کورسز وغیرہ۔

نو آبادیاتی دور میں فارسی زبان، حکومتی سرپرستی سے محروم ہوگئی تو اردو نے عمومی زبان کی حیثیت اختیار کرلی، چنانچہ فقہاے کرام نے فقہ کی تفہیم، تشکیل اور ترویج کے لیے اس زبان میں انتہائی قیمتی سرمایہ، حوالۂ تاریخ کیا۔ ایک ناتمام تحقیق کے مطابق، جو راقم نے ۱۹۹۶ء میں شعبہ اسلامک اسٹڈیز اے ایم یو، علی گڑھ کے محقق پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی کے ماتحت مکمل کی تھی، یہ بات سامنے آئی کہ خالص اردو زبان میں مرتبہ و مؤلفہ کتب و فتاویٰ (متعدد مجلدات میں صرف پہلی جلد کا نام) اور رسائل کی کیفیت تعداد و موضوع کے اعتبار سے کچھ اس طرح تھی: ۱۱۵ کتب برائے عمومی مسائل فقہ، ۴۴ کتب برائے تاریخ فقہ، سوانح فقہا اور اصولِ فقہ، ۱۰۶ کتب برائے عائلی و خاندانی مسائل، ۳۵ کتب برائے معاشی واقتصادی امور (سود، رشوت، اوقاف، پگڑی سسٹم اور میراث و جائداد)، ۱۴ کتب برائے عقوبات (حدود و تعزیر و قصاص)، ۸ کتب برائے بین الاقوامی معاملات، ۶ کتب برائے نظام قضا و افتا، ۱۸ کتب برائے طہارت و عبادات، ۸۸ کتب برائے صلاۃ، ۲۱ کتب برائے زکوٰۃ و صدقات، ۴۱ کتب برائے رؤیتِ ہلال و رمضان، ۳۸ کتب برائے حج و عمرہ، ۶ کتب برائے متعلقاتِ نظام و آدابِ مسجد، اور ۳۲ کتب برائے مندوبات و مکروہات پر باضابطہ مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔[۴۸] دوسری طرف یہ حقیقت سامنے آئی کہ مختلف زبانوں سے ترجمے کا کام بھی علماے کرام نے کیا اور اردو کے سرمایے میں گراں قدر اضافہ کیا، چنانچہ فقہ کے متنوع و اہم موضوعات پر مشتمل ۹۷ کتب عربی زبان سے، ۹ کتب فارسی سے، ۵ کتب انگریزی سے اور ایک گجراتی سے اردو میں منتقل ہو کر طبع ہو چکی ہیں۔[۴۹]

اردو زبان میں فقہی لٹریچر کی طباعت کا کام اٹھارویں صدی کی آخری چوتھائی سے شروع ہوا، اگرچہ دکنی اردو میں فقہی کتب (زیادہ تر منظوم، آسان زبان میں عبادات کے مختلف گوشوں پر محیط) کا علم، سترھویں صدی کی آخری چوتھائی سے ہوتا ہے، مثلاً **فقہِ ہندوی** مؤلفہ ۱۶۶۳ء، **احکام الصلاۃ** مؤلفہ ۱۶۶۶ء، **فقہ المبین** مؤلفہ ۱۷۶۸ء، اور **محفوظ خانی** مؤلفہ ۱۷۸۴ء۔[۵۰] اردو زبان میں کس تاریخ سے فقہی کتب کی طباعت کا آغاز ہوا؟ یقین کے ساتھ

۴۸- تفصیلی مطالعے کے لیے راقم کی کتاب *Contribution of Modern India to Urdu Fiqh literature,* (New Delhi : Urdu Book Review, 2004) کے متعلقہ ابواب ملاحظہ کریں

۴۹- دیکھیے: حاشیہ نمبر ۴۶

۵۰- عبد القادر سہروردی، **فہرست اردو مخطوطات**، حیدر آباد دکن، ۱۹۲۹ء، ص ۲۰، ۴۰، ۶۳

کچھ کہنا مشکل ہے، البتہ ابتدائی مطبوعات کی تفصیلات اس طرح ہیں: **مفتاح الجنۃ** از کرامت حسین مطبوعہ ۱۷۹۰ء، **الإجازة في الذكر مع الجنازة** از عمر الدین مطبوعہ ۱۸۰۰ء، **تحفۂ رمضان** از اسماعیل خان مطبوعہ ۱۸۱۱ء، **رفع الحجاب** از سلامت اللہ مطبوعہ ۱۸۱۵ء اور خرم علی بلہوری کی کوشش سے علاء الدین حصکفی کی مشہور زمانہ عربی تصنیف **غاية الأوطار** کا اردو ترجمہ ۱۸۷۱ء میں معرض طباعت میں آیا۔[51]

نو آبادیاتی دور میں حکومتِ ہند کی برطانوی عدالتوں میں قاضیوں، مفتیان اور علمائے کرام کے استفادے کی خاطر بعض اہم کتب کا مواد مختلف زبانوں سے اردو زبان میں منتقل کیا گیا۔ ان کتب کے ذریعے یہ عدالتیں مسلم پرسنل لا سے متعلق عائلی و خاندانی مسائل کا تصفیہ کیا کرتی تھیں، ایسی کتب کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے :

۱- سید امیر علی نے *Personal Law of the Mohammadans* تحریر کی، سید ابو الحسن نے اس کا اردو ترجمہ **جامع الاحکام فی فقہ الاسلام** کے نام سے کیا۔ یہ کتاب ۱۸۸۷ء میں نول کشور، لکھنؤ سے ۸۶۸ صفحات میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام مسائل میں شیعہ اور سنی نقطہ نظر کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ برطانوی عہد کی عدالتوں میں اس کتاب کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔

۲- سید علی رضا کی انگریزی *The Principles of Mohammadan law for students* تصنیف ہے، جسے سید امیر علی نے **اصول شرعِ محمدی** کے عنوان سے اردو کا قالب عطا کیا۔ یہ کتاب ۱۹۲۳ء میں حیدر آباد سے ۲۲۴ صفحات میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب میں بھی شیعہ سنی مسائل کا الگ اندراج کیا گیا ہے۔

۳- حذاقت علی خان حکیم سلامت علی کی فارسی تصنیف **فتاویٰ اختیار فی الحدود والقصاص** کا اردو ترجمہ مولانا مسعود علی ندوی کی مدد سے **اسلامی قانون فوجداری** کے عنوان سے کرایا گیا۔ اس کتاب کو مطبع معارف، اعظم گڑھ نے ۱۹۲۵ء میں ۴۵۳ صفحات کے اندر زیور طباعت سے آراستہ کیا۔

۴- عبد الرحیم کے انگریزی خطبات کا اردو ترجمہ مولانا مسعود علی ندوی نے **اصولِ فقہ** کے عنوان سے کیا، جسے ۱۹۶۷ء میں ۴۸۳ صفحات میں کراچی سے شائع کیا۔ دوسری بار اسلامک بک سنٹر، نئی دہلی نے ۱۹۹۲ء میں **اصولِ فقہِ اسلام** کے عنواں سے ۱۹۷ صفحات میں ایم اے ملک کی ترتیب سے شائع کیا۔

۵۱- انجمن ترقی اردو، قاموس الکتب، کراچی، ۱۹۶۱ء میں تفصیلات ملاحظہ فرمائیں۔

۵- *Anglo Muhammadan Law*، سر ڈنشا فری ڈونجی کی انگریزی تصنیف ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مسعود علی سابق سیشن جج نے **اصولِ شرعِ اسلام** کے عنوان سے کیا۔ یہ کتاب ۵۱۸ صفحات پر محیط ہے، جسے حافظ محمد حیدر میموریل اکیڈمی، کراچی سے ۱۹۷۹ء میں شائع کیا گیا۔ یہ کتاب برطانوی عہد کی عدالتوں میں کام کرنے والے ججوں، وکیلوں اور مدرّسین کے لیے لکھی گئی جو عموماً عربی زبان سے ناواقف ہوتے تھے۔ یہ کتاب جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن کے سلسلۂ نصاب کی ایک کتاب ہے۔ اس کتاب میں مذکور جملہ مسائل میں حنفی اور شیعہ نقطۂ نظر کی وضاحت کی گئی ہے۔ پہلی فصل میں برطانوی ہند میں شرعِ اسلام کے عمل اور رواج پر مبسوط روشنی ڈالی گئی ہے۔ قبولِ اسلام اور مسلمانوں کی مختلف جماعتوں اور فرقوں کی تفصیل کے ساتھ شرعِ اسلام کا ماخذ اور اس کی تعبیر پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔[۵۲]

نو آبادیاتی دور سے عصرِ حاضر تک کا اردو زبان میں فقہی سرمایہ اپنی جامعیت اور وسعت کے اعتبار سے کافی وقیع اور اہم ہے۔ یہ لٹریچر، جدید ہندوستان کے سماجی اور معاشی مسائل کا دینی حل پیش کرتا ہے۔ جدید مسائل کی ایک فہرست کے ذریعے فقہا کی اجتہادی قوت و بصیرت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، مثلاً جدید آلات کے ذریعے رؤیتِ ہلال کی خبر، بینک کا سودی سرمایہ، ترقیاتی قرضے، کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت، دوملکوں کی کرنسی کا ادھار تبادلہ، بیت المال اور مسلم فنڈ کا شرعی حکم، قبضہ کرنے سے قبل خرید و فروخت، پانی میں مچھلی کی تجارت، مصرفِ زکوٰۃ فی سبیل اللہ، اموالِ زکوٰۃ کی سرمایہ کاری، بیع حقوق، مرابحہ، اراضیِ ہند کی شرعی حیثیت، اوقاف کی ویران زمینوں کی آبادکاری، تزیین و آرائش کے جدید ذرائع اور طریقے، علاج کے لیے ضبطِ تولید، ایڈز کی روک تھام کے لیے حکومت کو ضروری تجاویز، طبی اخلاقیات، مشینی ذبیحہ، بندھوا مزدوری کا شرعی حکم، موجودہ ماحولیاتی نظام، ضرورت وحاجت کا تعین، عورتوں کے حقوق کی حفاظت و ضمانت کے لیے نکاح کے وقت کچھ اضافی شرطیں، انقلاب ماہیت، کلوننگ (یعنی مصنوعی طریقے پر نسل کشی)، جبری شادی، انٹرنیٹ اور جدید وسائلِ ابلاغ کے ذریعے عقود و معاملات اور اقلیات کی فقہ وغیرہ۔ ان کثیر الجہات اور متنوع موضوعات کے لیے چند نمائندہ کتب کا حوالہ دیا جارہا ہے: **جواہر الفقہ** از مفتی محمد شفیع، فقہ اکیڈمی کے سترہ سیمیناروں کے وقیع مقالات پر مشتمل **جدید فقہی مباحث**

۵۲- تمام مترجمہ کتب کی تفصیلات کے لیے راقم کا مقالہ بعنوان، "فقہی کتب کے اردو تراجم: آغاز و ارتقا"، سہ ماہی **اسلام اور عصر جدید**، ذاکر حسین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز، نئی دہلی، اکتوبر ۱۹۹۷ء میں ملاحظہ کریں۔

(مرتبہ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی)، فتاویٰ نظامیہ از مفتی رکن الدین، جدید فقہی مسائل از خالد سیف اللہ رحمانی، فتاویٰ عزیزی، احکام و مسائل از سید عروج احمد قادری وغیرہ۔

نو آبادیاتی دور کے فتاوی لٹریچر کا مطالعہ دیوبندی، اہل حدیث اور بریلوی مکاتب فکر کے اختلافات و رجحانات، پس منظر اور منہج و اسلوب سے واقف کرانے میں معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ مذکورہ تینوں مسالک نے بنیادی طور پر عقائد کی تشریح و تعبیر، اسلامی قوانین کی وضاحت اور سیاسی اصطلاحات کی تعبیر کا حق صرف اپنے اپنے اکابر کو عطا کیا اور دوسروں کو اس حق سے محروم کرنے کے سلسلے میں بے جا ہتھ کنڈوں کے استعمال میں بے اعتدالیوں کا شکار ہو گئے۔ اس سلسلے میں زیادتیوں کا صدور تینوں مسالک کے اکابر سے ہوا ہے۔[۵۳]

بیسویں صدی کے اواخر میں دیوبندیوں کے علاوہ اہل سنت والجماعت (بریلوی) اور اہل حدیث کی دو مسلکی شاخوں نے بعض جزوی اختلافات کی بنیاد پر منفرد فکر کی بنیادیں استوار کر لیں۔ اس طرح نو آبادیاتی دور میں مسلمانوں کے درمیان واضح طور پر مذکورہ تینوں گروہوں نے اپنے اپنے مسالک کی الگ الگ دیواریں بلند کرنا شروع کر دیں۔ انھوں نے مخصوص ادارے، مدارس اور دار الافتا کا سلسلہ ملک کے طول و عرض میں دراز کر دیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عصر جدید کے مذکورہ تین مسالک کے فقہی کردار پر اختصار سے روشنی ڈال لی جائے تا کہ ان کی فقہی کاوشوں کا احاطہ و ادراک کرنے میں آسانی ہو۔

۱۔ مسلکِ دیوبند اور فقہ

یہ مسلک درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور افتا و قضا کے مختلف طریقوں سے فقہ کے باب میں ملتِ اسلامیہ کی ایک بڑی ضرورت کی تکمیل میں پیش پیش رہا ہے۔ علمائے فرنگی محل اور علمائے لدھیانہ کی فقہ کے میدان میں شدت کا رجحان اسی اسکول سے وابستہ کیا گیا ہے، کیوں کہ مذکورہ دونوں حلقے در اصل بانیانِ دار العلوم دیوبند کے افکار کے ساختہ و پرداختہ ہیں۔[۵۴]

۵۳۔ ڈاکٹر حافظ غلام یوسف، "بیسویں صدی میں برصغیر پاک و ہند کی اہم کتب فقہ، پس منظر اور منہج و اسلوب"، فکر و نظر، اسلام آباد، ج ۴، شمارہ اپریل۔ جون ۲۰۰۴، ص ۳۹

۵۴۔ علمائے لدھیانہ اپنا الگ مزاج و مذاق رکھتے ہیں، چنانچہ ابن انیس حبیب الرحمن لدھیانوی لکھتے ہیں: "ہمارے بعض مخلص حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ اکابر علمائے لدھیانہ اکابر علمائے دیوبند کے شاگرد یا منتسبین میں سے ہیں، بلکہ وہ (علمائے لدھیانہ) خود ایک مکتب فکر کی حیثیت رکھتے ہیں"۔ دیکھیے: ابن انیس حبیب الرحمن لدھیانوی، مرزا غلام احمد قادیانی کے ارتداد پر سب سے پہلا فتویٰ تکفیر، فیصل آباد، رئیس الاحرار اکادمی، ۱۹۹۷ء، ص ۲۷، تکفیری فتووں کے لیے دیکھیے: مولوی محمد، فتاوی قادریہ، (جاری)

الف۔ دارالعلوم دیوبند: (قیام: ۳۰ مئی ۱۸۶۷ء) یہ ادارہ اس فکر کا سب سے بنیادی مرکز ہے۔ متعدد فقہا اس ادارے سے فارغ ہو چکے ہیں۔ اس کے دارالافتا کا قیام ۱۸۹۲ء میں با ضابطہ طور پر عمل میں آیا، اگرچہ پہلے صدرالمدرسین مولانا محمد یعقوب نانوتوی ۱۸۶۶ء ہی سے انفرادی طور پر افتا کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ فارغ التحصیل فضلا کے چند مجموعہ ہاے فتاوی کا ذکر کیا جاتا ہے:

فتاویٰ رشیدیہ تین جلدیں، از رشید احمد گنگوہی (م ۱۹۰۵ء)، **فتاویٰ محمودیہ** اٹھارہ جلدیں، از مفتی محمود الحسن (م ۱۹۹۶ء)، **امداد الفتاویٰ** چار جلدیں، از اشرف علی تھانوی (م ۱۹۴۳ء)، **کفایت المفتی** نو جلدیں، از مفتی کفایت اللہ (م ۱۹۵۲ء)، **احسن الفتاویٰ** سات جلدیں، از مفتی رشید احمد لدھیانوی (م ۲۰۰۰ء)۔ دارالافتا سے شائع ہونے والے **فتاوی دارالعلوم دیوبند** بارہ جلدیں، مرتبہ: مفتی محمد ظفیر الدین، اور **منتخبات نظام الفتاویٰ** از مفتی نظام الدین کی دو جلدیں۔ مؤخر الذکر کے ذریعے چند عصری مسائل کی نشان دہی کی جاتی ہے: مغربی ممالک کے پکے ہوئے گوشت کا حکم جو ڈبوں میں آتا ہے (۱/۱۸۵)، خون کا عطیہ اور انسانی اعضا کی تنصیب (۱/۴۱۹)، پراویڈنٹ فنڈ کی شرعی حیثیت (۱/۱۶۴)، ہوائی جہاز پر نماز ادا کرنے کی صورت (۱/۴۷۷)، مغربی ممالک میں رمضان و اوقاتِ نماز کا مسئلہ (۲/۲۸۶)، کمپنی کے شئیرز خریدنا اور ایکس پورٹ کے مسائل (۲/۲۸۲)، لائف انشورنس کا شرعی حکم (۲/۲۸۶) ہندی رسم الخط میں قرآن کی اشاعت (۲/۳۱۰)، پگڑی کا مسئلہ (۲/۳۲۹)، ہُنڈی کے مروجہ کاروبار کا شرعی حکم (۲/۳۹۰) (جلد اول اصلاحی کتب خانہ، دیوبند سے ۱۳۹۹ھ میں، جب کہ جلد دوم قاضی پبلشرز، دہلی سے ۱۹۹۷ء میں طبع ہوئی)۔ (۵۵)

(گذشتہ سے پیوستہ) لدھیانہ، مطبع قیصر، ۱۹۰۱ء، ص ۵۳ (بابت سر سید پر کفر کا فتویٰ) ۱-۴۶، ۴۷، ۴۷، ۸۹، ۱۳۷، ۱۵۹، مسالکِ فقہ کی فکری بنیادوں، رجحانات اور اختلافات کے لیے ملاحظہ فرمائیں:

Barbara Daly Metcalf, *Islamic Revival in British India, Deoband*, 1860-1900, (New Jersey:1982)

نیز دیکھیے راقم کا مقالہ بہ عنوان: ''دعوتِ دین اور فقہی توسع''، عالمی سیمینار منعقدہ ۲۵/۲۶ فروری ۲۰۰۵ء، بہ عنوان: ''دعوتِ اسلامی اور مدارسِ اسلامیہ کے مقالات کا مجموعہ''، اعظم گڑھ، ادارہ علمیہ، جامعۃ الفلاح، ۲۰۰۵ء۔

۵۵- قاری محمد طیب، **دارالعلوم کی صد سالہ زندگی**، اس میں ۱۹۶۵ء سے ۱۹۷۴ء تک کا مکمل ریکارڈ بابت افتا موجود ہے، بعد کی کیفیت کے لیے دارالافتا کا رجسٹر دیکھیں۔ مزید دیکھیے: ڈاکٹر شمس تبریز خان کا مقالہ بعنوان: ''فتاویٰ دارالعلوم ایک مستند فقہی مجموعہ''، سہ ماہی **فکر اسلامی**، شمارہ، جولائی ۱۹۹۹ء تا جون ۲۰۰۰ء، ص ۲۰۶۔

ب- مظاہر علوم سہارن پور (قیام: ۹ نومبر ۱۸۶۶ء): دیوبندی مسلک کا دوسرا عظیم مرکز ہے۔ اس ادارے کے اکابر کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ حکومتِ ہند کی ریشہ دوانیوں اور مسلم دشمنی کے خلاف ہمیشہ صف آرا رہے۔ دارالافتا مظاہر علوم (قیام: اکتوبر ۱۹۱۹ء) نے ۱۹۳۸ء تا ۱۹۷۷ء تک تقریباً اٹھہتر ہزار چوراسی (۷۸۰۸۴) فتاوی شائع کیے۔ دار الافتا کے رجسٹر کا نام **فتاوی مظہریہ** ہے۔[(۵۶)]

ج- امارت شرعیہ پھلواری شریف: پٹنہ، بہار، (قیام: ۱۹۲۱ء) اس میں عملی طور پر ایک شرعی عدالت قائم ہے، جس کے ذریعہ قاضیِ شریعت فریقین کے مسائل خود سماعت کرتا ہے، مقررہ تاریخوں میں سماعت ہوتی ہے، پھر فیصلہ ہوتا ہے جو آخری اور نافذ العمل ہوتا ہے۔ ان فیصلوں کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی۔ بہار اور اڑیسہ کے مسلمانوں کے عائلی مسائل کا تصفیہ کیا جاتا ہے۔ رؤیتِ ہلال کے لیے دونوں ریاستوں کے مسلمان امارتِ شرعیہ کے اعلان کے منتظر ہوتے ہیں۔ دو سالہ کورس کے ذریعہ فارغینِ مدارس کو افتا و قضا کی ڈگری تفویض کی جاتی ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ابوالمحاسن سجاد کے ذریعے اس ادارے کو شہرت ملی، جسے بعد میں مولانا منت اللہ رحمانی اور مولانا مجاہد الاسلام قاسمی نے عالمی شہرت کے ممتاز مقام تک پہنچادیا۔

د- اسلامک فقہ اکیڈمی، دہلی: (قیام ۱۸/ جون ۱۹۸۹ء) اجتہاد، توسع اور غیر مسلکی بنیادوں پر قائم ہونے والا ہندوستان کا پہلا ادارہ ہے، جس نے مختلف تاریخوں میں اب تک سترہ عالمی سیمینار منعقد کیے اور ان کے مقالات اور قرار دادیں **مجلہ فقہ اسلامی** کے عنوان سے دس سے زائد جلدوں میں شائع کیں۔ قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ فارغینِ مدرسہ کے مخصوص اجتماع میں سیکولر اداروں کے ماہرین اقتصادیات، وکلا اور ججز کی شرکت کو یقینی بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، البتہ اس کمی کا احساس ہوتا ہے کہ صفِ اول کے ماہرین کی شرکت ان سیمیناروں میں برائے نام ہوپاتی ہے، تاہم ان سیمیناروں میں عالمِ اسلام کی بعض کلیدی علمی شخصیات مختلف علمی موضوعات پر مقالات پیش کرتی رہی ہیں جن میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:

پگڑی کی شرعی حیثیت، اعضا کی پیوند کاری، ضبطِ ولادت، بینک انٹرسٹ، کرنسی نوٹ، غیر سودی بینک کاری، اسلامی بینک کاری، عقدِ مرابحہ، غیر سودی امدادی سوسائٹیاں، حقوق کی خرید و فروخت، ہندوستان کے پسِ منظر میں انشورنس کا حکم، دوملکوں کی کرنسیوں کا ادھار تبادلہ، انشورنس زکاۃ میں بنیادی حاجت، قرض کی زکاۃ،

۵۶- عبد القدوس رومی، "فتاویٰ مظاہر علوم - ایک تعارف"، سہ ماہی **فکر اسلامی**، محولہ بالا، نیز دیکھیے: سید محمد شاہد مظاہری، **علمائے مظاہر علوم سہارن پور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات**۔ کتب خانہ اشاعت العلوم، سہارن پور، ۱۹۸۳ء کے متعلقہ ابواب۔

اموالِ مدرسہ پر زکاۃ، تجارت میں پیشگی دی ہوئی قیمت اور کرایہ، دکان اور مکان میں دی گئی ڈپازٹ کی رقم پر زکاۃ، کمیشن پر زکاۃ کی وصولی، ہیرے جواہرات پر زکاۃ، مالِ حرام کی زکاۃ، مدرسہ کے سفرا، محصلین اور مہتمم کی حیثیت، پراویڈنٹ فنڈ پر زکاۃ، وظیفۂ طلبہ، عشر و خراج سے متعلق جدید مسائل، عشری و خراجی اراضی، ادائگیِ خراج کا طریقہ اور خراج سے سرکاری محصول کی منہائی، زمینی پیداوار، درخت اور سبزیوں میں عشر، مزارعت والی کاشت میں عشر، عشر سے اخراجاتِ زراعت کی منہائی، مکھانہ مچھلی اور ریشم میں عشر، مکان، چھت اور گردوپیش کی اراضی اور اراضیِ اوقاف میں عشر، شریعت میں ضرورت و حاجت کی رعایت اور اس کی حدود، موجودہ دور کے اہل کتاب کا ذبیحہ، مشینی ذبیحہ، طبی اخلاقیات اور اطبا کے فرائض، ایڈز، شریعت میں عرف وعادت کا اعتبار اور اس کے اصول و قواعد، عقدِ نکاح میں شرائط کی فقہی حیثیت، شیئرز اور ان کی خرید و فروخت، پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کی خرید و فروخت، قبضہ کی حقیقت اور اس کے متعلق احکام، اوقاف سے متعلق نئے مسائل، حج و عمرہ کے جدید مسائل، قسط پر خرید و فروخت، کلوننگ، اعلامیہ برائے اتحادِ امت، نکاح میں کفاءت، نکاح میں لڑکی، لڑکے اور اولیا کے اختیارات، ضعیف احادیث کے احکام، فقہی اختلافات کی شرعی حیثیت، حالتِ نشہ کی طلاق، انٹرنیٹ اور جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال، انقلابِ ماہیت اور طہارت و نجاست و حلت و حرمت پر اس کا اثر، اموالِ زکاۃ کی سرمایہ کاری، جدید ذرائعِ ابلاغ کے ذریعے عقود و معاملات، لڑکی پر جبر کے ساتھ نکاح، مطالبۂ جہیز، شریعت کی نظر میں، مسلم و غیر مسلم تعلقات، اسلام اور امن عالم (دہشت گردی وغیرہ کے مسائل)، جلاٹین کا حکم، الکحل کا حکم، وقف اور اس کو نفع آور بنانا۔ جنیٹک ٹیسٹ اور اس سے مربوط فقہی مسائل، میڈیکل انشورنس، بینک سے جاری ہونے والا مختلف کارڈ، ڈی این اے ٹسٹ کی شرعی حیثیت، رمیِ جمار کا مسئلہ، قیامِ منیٰ کا حکم، موت کی حقیقت اور مصنوعی آلۂ تنفس، یوتھینزیا (Euthanasia) کا حکم، نیٹ ورک مارکیٹنگ، مسافتِ سفر کا شمار کہاں سے ہو؟ سفر و اتمام کے مسئلے میں کیا مکہ و منیٰ کا ایک حکم ہے؟ مفطرات صوم میں عہد حاضر کے مخصوص مسائل، صورتِ قصر و اتمام کا حکم۔

ان سیمیناروں کے انعقاد کے علاوہ تصنیف و تالیف کے میدان میں اکیڈمی کا اہم کام **الموسوعة الفقهية** کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ موسوعہ پینتالیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کا مکمل ترجمہ اسلامک فقہ اکیڈمی کے زیرِ اہتمام انجام دیا جا چکا ہے۔ یہ موسوعہ ۱۹۶۷ء میں وزارتِ اوقاف، کویت نے فقہ انسائیکلوپیڈیا کی شکل میں ترتیب دیا تھا۔ تیرھویں صدی ہجری تک کے پورے فقہی ذخیرہ کو جدید اسلوب میں چاروں مذاہب کے دلائل کی روشنی میں،

حوالہ جات اور احادیث کی تخریج کے ساتھ، سوانحی ضمیمے اور مسائل کو حروف تہجی کے اعتبار سے یک جا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ح- ادارۂ مباحثِ فقہیہ، دہلی: (قیام: ۱۹۷۰ء) مولانا محمد میاں کی نگرانی میں قائم ہونے والا یہ علمی حلقہ در اصل جمعیۃ علماے ہند کی فقہی کاوشوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جو برصغیر میں مسلمانوں کے سیاسی کارواں کا ایک اہم حلیف رہا ہے۔ مختلف تاریخوں میں ملک کے مختلف گوشوں میں اور متعدد موضوعات پر چار قومی سیمینار کر چکا ہے، جن میں غیر سودی رفاہی ادارے اور سوسائٹیاں، اسلامی نظامِ قضا اور ہندوستان، شیئرز اور ایکس پورٹ اور دوسرے مسلک پر فتویٰ اور عمل کے حدود و آداب۔

۲- مسلک بریلوی اور فقہ

بیسویں صدی کے حنفی المسلک بریلوی مکتبِ فکر کی دل چسپی زیادہ تر مختلف فروعی اور ثانوی مسائل میں رہی ہے، جن میں سے بعض یہ ہیں: تصورِ شیخ اور استمداد اہل اللہ مثلاً یا شیخ عبد القادر شیئاً للہ، قیامِ میلاد اور حضور اکرم ﷺ کی موجودگی کا تصور کرنا۔ مختلف رسوم، مثلاً فاتحہ خوانی، چہلم، برسی، گیارھویں کی نیاز، عرس وغیرہ۔[۵۷] مولانا احمد رضا خان بریلوی (م ۱۹۲۱ء) کی قیادت میں سخت گیر موقف کا حامل یہ گروہ اپنی جماعت کو چھوڑ کر علماے دیوبند، علماے ندوۃ العلماء، علماے اہل حدیث، جماعتِ اسلامی اور تبلیغی جماعت کو نعوذ باللہ کافر قرار دیتا ہے۔[۵۸] اس مکتبِ فکر نے اپنی درس گاہیں اور ادارے ملک گیر سطح پر قائم کر لیے ہیں مثلاً جامعہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان، جامعہ اشرفیہ مبارک پور، جامعہ رضویہ منظر عام اسلام، بریلی، جامعہ نعیمیہ مرادآباد۔ بنیادی کتابوں کے ذریعے اس کے فکری رجحان و اساس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جن میں چند نمائندہ کتابیں یہ ہیں: **فتاویٰ رضویہ** (جس کا اصل عنوان العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ ہے) اور **احکام شریعت** از مولانا احمد رضا خان، **فتاویٰ امجدیہ** اور **بہارِ شریعت** از مولانا محمد امجد اور **سنی بہشتی زیور** از خلیل احمد۔ یہ مکتبِ فکر، تصوف کے تمام

۵۷- بریلوی مکتبِ فکر کے عقائد، فکری اساس و رجحان کے لیے ملاحظہ فرمائیں: محمد عبد الرشید ندوی، **ہند و پاک کے فقہی مکاتبِ فکر اور اسلامی فرقے**، لکھنؤ، ۱۹۹۲ء، ص۸-۱۲۔ نیز دیکھیے: جمیل احمد جالبی، **رضاخانیت کا تنقیدی جائزہ**، مکتبہ صداقت، مبارک پور، ۱۹۸۶ء

۵۸- محمد اکرام، موج کوثر، دہلی، ادبی دنیا، س۔ن، ص ۷۰-۷۱

معروف سلاسل اور فکر و اساس کا نقیب و نگراں ہے۔ اس مسلک کی جملہ کتابوں میں پیش کش کا انداز مخاصمانہ اور متشددانہ ہے۔

۳-مسلک اہلِ حدیث اور فقہ

اہلِ حدیث حضرات، تصوف کو بدعت قرار دینے اور شرک و بدعت کی تردید میں سخت موقف کے حامل ہیں۔ مختلف مظاہر، جو ان کے نزدیک شرک و بدعت پر مبنی تھے، کے خلاف انھوں نے اپنا کردار ادا کیا، تاہم علمی اور فروعی مسائل میں نقطۂ نظر کے اظہار میں سختی کے اسلوب نے اس جماعت کی مساعی پر منفی اثر مرتب کیا ہے۔ اہلِ حدیث تقلیدِ فقہا کے قائل نہیں ہیں۔ مولانا محمد حسین بٹالوی (م ۱۹۱۹ء) کی جدوجہد کے نتیجے میں لفظ 'وہابی' کی جگہ 'اہلِ حدیث' کی تبدیلی حکومتی ریکارڈ میں کی گئی۔[۵۹] ہندوستان میں جامعہ سلفیہ بنارس اور دارالحدیث مؤناتھ بھنجن اس جماعت کے دو عظیم مراکزِ فکر و درس ہیں۔ چند نمائندہ کتب کے نام یہ ہیں: **فتاویٰ نذیریہ، فتاویٰ ثنائیہ، فقہ محمدی وطریقۂ احمدی، فتاویٰ علمائے حدیث اور اسلامی تعلیم**۔[۶۰]

۴-اہلِ تشیع اور فقہ:

شمالی ہندوستان میں مرشد آباد، عظیم آباد، لکھنؤ، رام پور اور علی گڑھ کے نوابوں اور رئیسوں کی سرپرستی میں پروان چڑھنے والی اس جماعت کو سید دل دار علی نے فعال ومتحرک بنایا، جنھوں نے **أساس الأصول** اور **مرأة العقول** اور دیگر تصنیفات کے ذریعے اس جماعت کی فقہ کی وضاحت کی۔ نو آبادیاتی دور میں اہلِ تشیع کی فقہ کی وضاحت کے سلسلہ میں ہندوستانی عدالتوں نے سید دل دار علی کی خدمات حاصل کیں۔ اس مسلک کے دوسرے فقیہ سید محمد باقر رضوی ہیں جنھوں نے مذہب اثنا عشری کی درسی ضرورت کے پیشِ نگاہ عربی تصنیف **روائع الأحکام** کا اردو سلیس ترجمہ بعنوان **شرائع الاسلام** (تین جلدیں) تحریر کیا۔ یہ کتاب مطبع دبدبہ، لکھنؤ سے ۱۸۹۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔ کتابِ مذکور کی طباعت نظام الملک آصف جاہ اور میر رستم علی کے مالی و انتظامی تعاون کی وجہ سے ہو سکی۔ یہ کتاب فقہ کی جملہ جہات کو سموئے ہوئے ہے، مثلاً صید، ذبائح، غصب، شفعہ، احیاء الموات، تجارت، رہن، ضمان، صلح، شرکت، مضاربت، مزارعت و مساقات، ودیعہ، عاریہ، اجارہ،

۵۹- مسعود عالم ندوی، **ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک**، حیدر آباد، دکن، ۱۳۱۷ھ، ص ۲۹

۶۰- دیکھیے عزیز الرحمن سلفی، **جماعت اہلِ حدیث کی تدریسی خدمات**، ادارہ بحوث الاسلامیہ، بنارس، ۱۹۸۴ء کے متعلقہ ابواب۔

وقف و صدقات، سکنی، وصایا، نکاح، طلاق، خلع، ظہار، لعان، عتق، تدبیر، ایمان اور نذر۔ بعض دیگر کتب یہ ہیں: **حدائق الاسلام** از نیاز حسین، **تحفۂ عوام** از حاجی حسن علی، **لسان المتقین** از کفایت حسین، **زاد الصالحین** از سید محمد نقی اور **دینیات کی پہلی کتاب** از سید فرمان علی۔ مبارک پور (اعظم گڑھ)، لکھنؤ اور علی گڑھ میں اس کے مدارس اور ادارے ہیں۔

خاتمۂ بحث:

بر صغیر ہند و پاک کے فقہاے عظام نے فقہِ اسلامی کی خدمت درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور افتا و قضا کے علاوہ اپنے ذاتی رویوں کے ذریعے انجام دی۔ گذشتہ صفحات میں محمد بن قاسم کے فتح سندھ ۷۱۲ عیسوی سے ۲۰۰۰ عیسوی تک کے طویل ادوار کی فقہی تصنیفات اور خدمات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے اور تقریباً گیارہ سو عربی، اردو اور فارسی کتب (مطبوعہ و مخطوطہ) کے موضوعات اور مسلکی رجحانات معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مطالعہ کے نتائج کو ذیل کی سطور میں پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ عربی اور اردو کے تقابلی مطالعہ کے نتیجہ میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ دونوں زبانوں کی کتب میں سماجی، معاشی اور مذہبی مسائل کا بالاستیعاب ذکر ہے، لیکن اردو ذخیرۂ کتب میں موضوعات کی ندرت، مسائل کی ہمہ جہتی اور اجتہاد کا نسبتاً زیادہ استعمال ملتا ہے، جس کی بنیادی وجہ یہ رہی کہ عہدِ وسطیٰ میں مسلم تہذیب کو ان سنگینیوں سے واسطہ نہیں پیش آیا جو نو آبادیاتی دور کا طرۂ امتیاز ہے۔ دوسری طرف نو آبادیاتی دور میں فقہاے کرام نے یہ وقیع کارنامہ محض اللہ کی نصرت، مومنانہ جرأت و شجاعت اور ذاتی حیثیت میں انجام دینے کی کوشش کی۔

۲۔ نو آبادیاتی دور میں اہلِ حدیث اور اہلِ تشیع نے خدمتِ فقہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ہر طبقے نے قیاس و اجتہاد کی بنیاد پر مسائل کا تصفیہ اور محاکمہ کرنے میں سبقت کی کوشش کی۔ یہ صورتِ حال عہدِ وسطیٰ میں نظر نہیں آتی۔

۳۔ عہدِ وسطیٰ میں شروح و حواشی کی تیاری میں علماے کرام نے جس مستعدی کا مظاہرہ کیا، نو آبادیاتی دور میں یہ مہم سرد نظر آتی ہے۔ غالباً اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ گذشتہ عہد میں معروف و متداول متونِ فقہ کی تشریح و تفہیم کا حق ادا کر دیا گیا تھا، دوسری طرف نو آبادیاتی دور کے سماجی و سیاسی مسائل کے دباؤ نے

فقہاے کرام کو مجبور کیا کہ اس کی تکمیل میں جوش و خروش کا مظاہرہ کریں اور تیسری طرف اجتہادی ذوق کے احیا نے شرح در شرح کے کام کو بالکل ثانوی قرار دے دیا۔

۴- دونوں ادوار میں رسائل، کتابچے اور فتاویٰ کی تیاری میں فقہاے کرام نے عظیم خدمت انجام دی، البتہ فتویٰ نویسی کے باب میں عصرِ جدید میں خوش گوار تبدیلی یہ آئی کہ اس دور میں باقاعدگی آئی اور دارالافتا کے قیام اور انصرام نے اس شعبے کو استحکام بخشا۔

۵- عربی اور اردو فقہ کے موازنے کے نتیجے میں یہ بات برملا کہی جاسکتی ہے کہ مخرج و مستدل بنیادی طور پر فقہِ حنفی کی قدیم کتب رہیں، جن کے نتیجے میں تکرار میں امت کا قیمتی وقت صرف ہوا۔ اگر قرآن و حدیث کو مصدرِ اصلی قرار دیا جاتا تو ایک طرف اجتہاد کا ذوق پروان چڑھتا تو دوسری طرف امت فقہی تکرار سے بچ جاتی۔

۶- اردو لٹریچر میں اختلافی اور نزاعی مسائل کا ازدحام ہے، جب کہ عربی لٹریچر اس کمزوری سے کسی حد تک پاک نظر آتا ہے۔ فکر و نظر کے اختلاف کا باقی رہنا فطری ہے لیکن مسلکی تحزب، اختلاف و افتراق کو ہوا دیتا ہے، غالباً اس کی ایک وجہ عہدِ وسطیٰ کے سلاطین کا رعب و دبدبہ اور نو آبادیاتی دور میں خلافت کی مدھم چھاؤں سے محرومی بھی ہے۔ اردو لٹریچر میں مناظرہ بازی اور تکفیری عمل نے امت مسلمہ کے جسدِ واحد کو لہولہان کر دیا ہے۔ جس کو بہ ہر حال قصۂ ماضی سمجھ کر فراموش کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

۷- فقہ کی تدوین کی اجتماعی کوشش کا آغاز فیروز شاہ تغلق کے دور (۱۳۵۱-۱۳۸۸ء) میں **فتاویٰ تاتارخانی** کی صورت میں نمودار ہوا۔ اس مبارک سلسلے کو اورنگ زیب نے **فتاویٰ عالمگیری** کی صورت میں جاری رکھا۔ خوش قسمتی سے بیسویں صدی میں بھی بعض کوششیں اس جانب ہوئیں، جن کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ تقابلی مطالعہ کے نتیجے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ معاصر کوششیں زیادہ یک سوئی اور اتحاد کی قدروں کی بنیاد پر ہو رہی ہیں۔ اس ضمن میں فقہ اکیڈمی، انڈیا کی کوششوں کو مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔

۸- تمام دعوتی جماعتوں کو ملت کے اتحاد کی خاطر اپنے علمی مراکز اور مدارس میں تقابلی فقہ کو فروغ دینے کے ساتھ نصاب میں قرآن کو شایانِ شان مقام عطا کرنے کی جرأت کرنا ہوگی، تب ہی اختلاف و افتراق کے عفریت پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

۹- آخری بات یہ کہ طویل المیعاد پروگرام کے تحت "التقارب بین المدارس" کی ضرورت کا احساس، عقلی بنیادوں پر واضح کیا جائے اور اسے عملاً ممکن بنانے کا آغاز کر دینا چاہیے، تاکہ عصبیت، جہالت اور سطحیت کی جگہ جامعیت، علمیت اور تطبیق کا رجحان علمائے کرام میں رواج پا جائے اور وارثینِ انبیا کی یہ جماعت، ملتِ اسلامیہ کے درمیان اجتماعیت کو فروغ دے کر سیاسی بازیافت کی طرف پیش قدمی کر سکے۔